

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان

(۳)

حضرت اسماعیل کی رسالت اور عرب میں اس کے اثرات | اغلب یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور اس گھر کو مرکز و مرجع قرار دے کر ہر سال اس کی طرف حج کرنے کا اذن عام لوگوں کو دیا، وہی وقت تھا جب حضرت اسماعیل کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر سرفراز فرمایا تاکہ وہ عرب میں دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكُتُبِ أَسْمِعِيلَ إِنَّهُ كَانَ
صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا -
وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ
عِنْدَ رَبِّهِ هَسًا ضَبِيًّا - (مریم - ۵۴-۵۵)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کر دے۔ وہ
وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں
کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے
نزدیک پسندیدہ تھا۔

اگرچہ تاریخ میں حضرت اسماعیل کی زندگی کے حالات اور ان کی رسالت کے کام کی کچھ تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن ان کی رسالت کے کامیاب ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو تمام عرب میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حج اور عمرے کے لیے عرب کے تمام اطراف و نواحی سے لوگ کھینچ کھینچ کر آتے رہے۔ مناسک حج تقریباً ہی رہے جو ابتدا میں مقرر کیے گئے تھے۔ صفا اور مردہ کی سعی اور اذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کا طریقہ بھی عربوں میں رائج رہا جو بلاشبہ حضرت حاجرہ کی سعی اور حضرت ابراہیم کی قربانی ہی کی یادگار تھا۔ حج اور عمرے کی خاطر چار مہینوں کی حرمت بھی تمام اہل عرب میں مسلم رہی، اور دین ابراہیمی کے دوسرے بہت سے شعائر بھی عربوں میں مروج رہے، مثلاً ختنہ، غسل جنابت، جانوروں کو ذبح کر کے اور اونٹوں کو شکر کرنے کا طریقہ، مردوں کو دفن کرنا، نکاح اور طلاق اور احلال (بیوہ کے سوگ) کے قاعدے، بیٹیوں، ماٹوں اور بہنوں کو حرام سمجھنا، قصاص اور دینت اور قسامت سے احکام وغیرہ۔ اس کے علاوہ بعض حکمائے عرب وضو بھی کرتے تھے۔ بعض نماز بھی پڑھتے تھے جیسے قس بن ساعده الایادی۔ حضرت ابوذر بھی اسلام قبول کرنے سے تین سال پہلے ہی نماز پڑھنے لگے

تھے، مگر چہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کس قسم کی نماز تھی۔ اس کے علاوہ عربوں میں روزہ کا بھی ایک طریقہ رائج تھا۔ وہ اعتکاف بھی کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ بہت سی چیزوں کو اہل عرب نیکی کے کام سمجھتے اور ان کی مدح کرتے تھے، مثلاً مہمان اور مسافر کی ضیافت، مساکین کی مدد کرنا اور صلہ رحمی کرنا۔ اگر حضرت اسماعیلؑ کی رسالت کو عرب میں غیر معمولی کامیابی حاصل نہ ہوئی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ڈھائی ہزار برس تک جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبے رہنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اُس دین کے آثار باقی اور تمام عرب میں جاری و ساری رہتے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اُن کی اور اُن سے متاثر ہونے والوں کی تبلیغ ہی کا یہ اثر تھا کہ اہل عرب میں حضورؐ کی بعثت کے زمانے تک اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ تصورات پائے جاتے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ کیا گیا ہے (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۃ زُحُورف، آیت ۸۷۔ سورۃ عنکبوت، آیات ۶۱ تا ۶۳۔ سورۃ مومنون، آیات ۶۱ تا ۶۳۔ سورۃ یونس، آیات ۲۲۔ ۲۳ و ۳۱۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۶۷)۔

اور یہ بھی رسالتِ اسماعیلی کا اثر ہی تھا کہ بعثتِ محمدیؐ کے وقت تک عرب میں ایسے لوگوں کا ایک گروہ موجود رہا جنہیں تاریخ میں خُفَاف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عرب کے مختلف قبائل میں جگہ جگہ پائے جاتے تھے۔ شرک سے انکار اور توحید کا اقرار کرنے تھے اور دینِ ابراہیمی کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے تفہیم القرآن، جلد چہارم میں صفحہ ۳۷ پر ان لوگوں کی فہرست درج کی ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے بعض کے حالات لکھتے ہیں:

التَّائِبَةُ الْمُجْتَدِي - یہ بنی عامر بن ضُحَّصَةَ میں سے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں دینِ ابراہیمی اور خلیفیت کا ذکر کیا کرتے تھے۔ روزے رکھتے اور استغفار کرتے تھے۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کلام میں توحید اور حیاتِ بعد موت اور جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا ذکر ملتا ہے۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور استیحاء (ج ۱، ص ۳۱۰)۔

مِرْمَرُ بْنُ أَسِّ - یہ بنی عدی بن نجار میں سے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں درویشی اختیار کر لی تھی۔ بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ غسل جنابت کرتے اور حائضہ سے پرہیز کرتے تھے۔ شراب اور ہر نشہ آور چیز کو ناپسند کرتے تھے۔ پہلے عیسائی ہونے کا ارادہ کیا، پھر رک گئے اور ایک مسجد سی بنالی جس میں کسی جُنُبِی یا حائضہ کو نہیں آنے دیتے تھے۔ کتے تھے کہ میں ربِّ ابراہیم کی عبادت کرتا ہوں اور دینِ ابراہیمی کا پیرو ہوں اُن کا ایک شعر یہ ہے:

الحمد لله ربنا لا شريك له

من لم يقلها فنفسه ظلما

”تعریف میرے رب اللہ کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو شخص اس کا قائل نہیں ہے

وہ اپنے نفس پر آپ ظلم کرتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہ بہت بوڑھے بوچکے تھے۔ انہوں نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا (الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۲۲۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۱۷۹۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۵۶)۔

عزرو بن عبسہ۔ یہ بنی سلیم میں سے تھے سب سے پہلے انہوں نے بتوں کی پرستش چھوڑ دی تھی۔ امام احمد نے ان کا اپنا قول نقل کیا ہے کہ میں جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کو گمراہی پر سمجھتا تھا اور بتوں کے متعلق میرا خیال تھا کہ یہ کچھ نہیں ہیں۔ ان کا ایک اور قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ بتوں کی پرستش باطل ہے۔ ایک شخص نے میری یہ باتیں سنیں تو کہا کہ تمہیں ایک شخص ہے جو ایسی ہی باتیں کہتا ہے۔ چنانچہ میں مکہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر آپ کی تعلیمات دریافت کیں اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا (الاستیعاب، ج ۲، ص ۲۳۱)۔

سب سے زیادہ سبق آموز قصہ زید بن عمرو بن نفیل کا ہے جو حضرت عمر کے چچا زاد بھائی اور حضرت سعید بن زید (حضرت عمر کے بہنوئی اور یکے از عشرۃ مبشرہ) کے والد تھے۔ یہ توحید کے عقیدے میں بہت سخت تھے۔ بت پرستی، اور مردار اور خون اور بتوں پر کی ہوئی قربانی کو حرام سمجھتے تھے۔ بیٹیوں کے قتل کو بہت برا جانتے تھے اور ان کو بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہودیت اور نصرانیت کو بھی انہوں نے رد کر دیا تھا اور کہتے تھے کہ ہماری قوم کے شرک اور ان کے شرک میں آخر فرق ہی کیا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر کا بیان ہے کہ ”میں نے زید بن عمرو کو دیکھا کہ وہ کعبہ کی دیوار کے سہارے بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قریش کے لوگو، خدا کی قسم میں کسی ایسے جانور کا گوشت نہیں کھاؤں گا جو اللہ کے سوا کسی کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔ خدا کی قسم دین ابراہیم پر میرے سوا کوئی نہیں ہے۔“ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ”خدا یا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت کا کونسا طریقہ تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا۔“ پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کرتے۔ انہوں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں شام کا سفر کیا مگر وہ نہ یہود میں ملا اور نہ نصاریٰ میں۔ اس پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدا یا میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔“ آخر کار ہلا دکنم میں حضور کی بعثت سے پانچ سال پہلے کسی نے انہیں

قتل کر دیا۔ ان کا چچا خطاب ان کو دین آباہی سے پھر جانے پر سخت تنگ کرتا تھا حتیٰ کہ اس نے انہیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور قریش کے سفہاء کو ان کے پیچھے لگا دیا کہ اسے شہر میں نہ گھسنے دو۔ زمانہ اسلام میں حضرت عمر اور حضرت سعید بن زید نے حضور سے عرض کیا کہ زید کے خیالات آپ کو معلوم ہیں، کیا ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ آپ نے فرمایا ”ہاں، قیامت کے روز وہ تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے“ (الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۳۹ - الاصابہ، ج ۱، ص ۵۵۲ - ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۳۹ - ۲۴۰)۔

ناہم عام اہل عرب جس شرک میں مبتلا تھے اس کی نوعیت ان کے اُس تلبیہ سے معلوم ہوتی ہے جو وہ حج کے موقع پر کرتے تھے۔ اُن کا تلبیہ یہ تھا:

| | |
|--------------------------------|--|
| لبیک اللہم لبیک ، لبیک لا شریک | ہیں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں |
| لک الا شریکاً ہولک ، تملک | حاضر ہوں، کوئی تیرا شریک نہیں سوائے اُس شریک |
| وَمَا مَلَکَکَ | کے جو تیرا ہی ہے، تو اُس کا بھی مالک ہے اور |
| | ہر اُس چیز کا بھی مالک جس کا وہ مالک ہے۔ |

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بہن سے مفروضہ خداؤں کو معبود ماننے کے باوجود ایک ربّی اعلیٰ کی حیثیت سے اللہ کو مانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کے تمام معبود اُس بزرگ و برتر ہستی کے بندے اور مملوک ہیں۔ اس کو رسالتِ اسماعیلی کے اثرات کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ انتہائی جاہلیت اور بدترین شرک میں ڈوب کر بھی اللہ کے بارے میں اُن کے اندر یہ عقیدہ موجود تھا۔

حضرت اسماعیل کے بعد خانہ کعبہ کی ترویبت کا انتظام حضرت اسماعیل جب تک زندہ رہے، خانہ کعبہ کی ترویبت انہی کے ہاتھ میں رہی اور ان کے بعد ان کے بیٹے نابت مستوی ہوئے۔ لیکن نابت کی وفات کے بعد حجر صوم کے لوگ، جو مکہ میں حضرت ہاجرہ کے وقت سے بسے ہوئے تھے، اس گھر کی ترویبت پر قابض ہو گئے اور صدیوں تک قابض رہے۔ ان لوگوں میں رفتہ رفتہ اتنا بگاڑ پیدا ہو گیا کہ انہوں نے مکہ کی حرمت کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ کعبہ میں جو مال ہدیہ دیا جاتا تھا اسے ناجائز طور پر کھانے لگے۔ زیارت کے لیے آنے والوں کو ستانے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کو زنا کے لیے کوئی جگہ نہ ملتی تو وہ خانہ کعبہ میں جا کر یہ گناہ کرتا تھا۔ اسی زمانے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص اسات نے ایک عورت نائیکہ کے ساتھ کعبہ میں یہ فعل حرام کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کر دیا۔ کچھ مدت تک تو یہ واقعہ نشانِ عبرت بنا رہا۔ مگر ایک مدت بعد ان دونوں کے

بت بنا کر ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مزدہ پر رکھ کر ان کی عبادت کی جانے لگی۔ یہ اُس تشریح کی انتہا تھی جس میں خانہ کعبہ کے یہ منوتی مبتلا ہو گئے تھے۔

آخر کار حیب جہزمیوں کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تو بنی کنانہ میں سے بنی بکر بن عبدمناتہ اور بنی خزاعہ میں سے عبثان نے مل کر اُن سے جنگ کی اور اُن کو مکہ سے نکال دیا۔ چلتے ہوئے یہ لوگ زمزم کو بند کر کے اُس کا نشان تک مٹا گئے اور اپنے اصل وطن، یمن کا راستہ لیا۔ اُن کے بعد کعبہ کی تولیت بنی خزاعہ کی اُس شاخ کے قبضے میں آگئی جو عبثان کے نام سے موسوم ہے۔ تین چار سو برس تک وہی اس مقدس گھر کے منوتی رہے اور انہی کے زمانہ میں خانہ کعبہ ایک پورا بت خانہ بن گیا۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اس قبیلے کا سردار عمرو بن لُحی ایک مرتبہ شام گیا اور وہاں اُس نے لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا۔ اسے یہ چیز بہت پسند آئی، وہاں سے جہلم نامی ایک بت لے آیا اور کعبہ میں اسے نصب کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس پر مزید بتوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انہی میں حضرت ابراہیم و اسماعیل اور حضرت مریم کے بت بھی شامل تھے۔ حضرت مریم کا بت غالباً اس لیے رکھا گیا تھا کہ عیسائی عرب بھی کعبہ کی طرف رجوع کریں۔ بخاری، کتاب الانبیاء میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویریں بھی تھیں۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل کی صورت اس شکل میں تھی کہ دونوں کے ہاتھوں میں ازلام (پانے) تھے۔

کعبہ کی تولیت پر خزاعہ کا قبضہ اُس وقت ختم ہوا جب قریش میں سے قُصَی بن کلاب نے اُسے اپنے خزاعی شجر سے حاصل کیا، جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔

اولاد اسماعیل علیہ السلام | عرب کے علماء و انساب اور بائبل کا متفقہ بیان یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے تھے۔ مگر جب مکہ پر جہزمیوں کا قبضہ ہو گیا تو اولاد اسماعیل کا بت تھوڑا حصہ اس شہر میں بٹا رہ گیا، باقی سب عرب کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔ تاریخ اس باب میں خاموش ہے کہ ان بارہ بیٹوں کی اولاد کہاں کہاں گئی اور کون کون سے قبائل ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ البتہ عرب کے علم الانساب میں جو چیز محفوظ اور مخبر ہے اور جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ یہ ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل کے بڑے بیٹے ثابت کی اولاد میں سے تھا۔ عدنان سے پہلے حضرت اسماعیل تک کتنی پشتیں گزریں، اس میں سخت اختلاف ہے، اور عدنان سے اوپر کا کوئی شجرہ نسب محفوظ نہیں ہے۔ عروہ بن زبیر کا قول ہے کہ ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو عدنان اور حضرت اسماعیل

کے درمیان کا نسب نامہ جانتا ہوں۔ ابن مسعود اور ابن عباس، دونوں کہتے ہیں کہ عدنان سے اوپر کا نسب نامہ جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نسب نامہ صرف عدنان تک بیان کرنا چاہیے۔ طبقات ابن سعد میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ منقول ہے کہ آپ معد بن عدنان بن ادد نک نسب بیان کرنے کے بعد فرماتے "کذب النساکون" آگے کا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ لیکن اوپر کا شجرہ نسب محفوظ نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عدنان کا اولاد اسماعیل میں سے ہونا کسی درجہ میں بھی مشکوک ہے۔ تمام اہل عرب اس بات پر متفق تھے کہ عدنان بنی اسماعیل میں سے تھا، اور اہل عرب کا اس پر بالکل متفق ہونا اس کے صحیح ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے، کیونکہ عرب کے لوگ نسب کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور ان کے لیے کسی کے نسب پر متفق ہو جانا اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک اُن کے ہاں نسلاً بعد نسل اس کے بارے میں متواتر روایات موجود نہ ہوں۔

رسول اکرمؐ کا نسب نامہ اور قبائل عرب سے آپ کا رشتہ | عدنان کے بعد تمام اُن قبائل عرب کا نسب نامہ محفوظ ہے جو اولاد عدنان میں سے ہیں اور اس میں علمائے انساب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم یہاں پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ کس کس پشت پر عرب کے کون کون سے قبائل آپ کے ساتھ نسب میں شریک ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ کا شجرہ نسب یہ ہے:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بن عبد اللہ، بن عبد المطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن مثرہ، بن کعب، بن کوئی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن النضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مڈرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔

اس نسلۂ نسب میں ہر پشت کے جدِ اعلیٰ پر عرب کے حسب ذیل قبائل حضورؐ کے ہم نسب ہوتے چلے جاتے ہیں۔

عدنان پر اس کے دوسرے بیٹے عتک کی اولاد جو میں جا کر بس گئی اور اشعریوں میں (جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ تھا) اُس کے شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہو گئے۔
معد پر بنی قضاعد اور بنی ایاد۔

نزار پر بنی انمار (خثعم اور بجیلہ)، تمام قبائل ربیعہ (جن میں بنی بکر بن وائل، تغلب اور جدیلہ وغیرہ شامل ہیں)، بنی بقیس، عنترہ اور ثمر بن قاسط۔

مضربہ تمام قبائل قیس (سُلیم، مازن، فزارہ، عنبس، اشج، ممرہ، ذبیان، غطفان، عقیل، قشیر، جشم، ثقیف، یابدہ، بنی سعد بن بکر اور تمام بنی صوازین وغیرہ) حضور کی رضاعی والدہ حلیمہ بنی سعد بن بکر میں سے تھیں۔

الیاس پر بنی تمیم، بنی مہنبہ، مزیینہ، خزاعہ، اسلم، عکمل، تميم وغیرہ۔

مذکر کہ پر ہڈیل۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اسی قبیلے سے تھے۔

خزیمہ پر بنی اسد، قارہ اور تمام بنی المون بن خزیمہ۔

کنانہ پر بنی عبدمناتہ (جن میں بنی بکر اور بنی ضمیرہ شامل ہیں)، بنی مالک، بنی ملکان یا ملکان اور بنی ضلال وغیرہ۔ بنی فراس اور بنی فقیم بھی اولاد کینانہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوذر کا قبیلہ عنقار بنی ملکان میں سے تھا۔ قریش علمائے انساب کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ النضر بن کنانہ ہی کا لقب قریش تھا۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ قریش دراصل النضر کے پوتے اور مالک بن النضر کے بیٹے کا لقب تھا۔ جو لوگ اُس کی اولاد ہیں وہ قریش میں شامل ہیں اور جو اُس کی اولاد نہیں ہیں وہ قریش میں سے نہیں ہیں۔

اب حضور کے نسب نامہ کی طرف پھر رجوع کیجیے اور دیکھیے کہ قریش کے کون کون سے خاندان کس پشت میں حضور کے ساتھ نسب میں شریک ہوتے ہیں۔

فہرہ پر بنی محارب، اور بنی الحارث۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بنی الحارث کی ایک شاخ سے تھے۔

۱۵ قریش کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک معنی پر لگندہ ہونے کے بعد جمع ہونے کے ہیں۔ مگر اس معنی کے لحاظ سے قریش قصی بن کلاب ہی کا لقب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کے زمانے میں قریش کے تمام خاندان مکہ میں جمع ہوئے۔ دوسرے معنی کسب و تجارت کے ہیں جو قریش کا پیشہ تھا۔ تیسرے معنی نقیش کے ہیں۔ اس لحاظ سے قریش نضر بن کنانہ کا لقب قرار پاتا ہے، کیونکہ اُس کے متعلق عرب کی روایات میں یہ منقول ہے کہ وہ حاجت مند لوگوں کی حاجات کا تجسس کرتا تھا اور اُن کی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک اور معنی یہ ہیں کہ قریش سمندر کے ایک بڑے جانور کا نام ہے جو ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قریش بن بدر بنی نضر بن کنانہ میں سے ایک شخص تھا جو اپنے قبیلے کے قافلوں کے لیے پڈر تھے اور سدسائی کا انتظام کرتا تھا۔ اس لیے عرب اس قبیلے کے قافلہ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ قریش کا قافلہ آگیا۔ یہ مختلف اقوال ہیں۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ قریش بنی فہرہ کا لقب ہے۔

غالب بن فہر پر بنی تیمم الاڈرم۔

نؤتی بن غالب پر بنی عامر۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے قاطمہ بنت زائدہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔ اسی خاندان کی ایک دوسری شاخ سے سہیل بن عمرو تھے جنہوں نے کفر کی حالت میں صلح حدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں اور اپنے بیٹے ابو جندل پر سخت ظلم ڈھائے تھے۔ پھر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور حضور کی وفات کے بعد جب مکہ میں ارتداد کا میلان ابھرنے لگا تو یہی اُس کو روکنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ اسی خاندان کی ایک اور شاخ سے ام المؤمنین حضرت سمودہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

کعب بن نؤتی پر بنی عدس، بنی مَجْح، اور بنی سہم۔ حضرت عمر بنی عدس کے ایک خاندان سے تھے۔ حضرت عثمان بن مظعون بنی مَجْح میں سے تھے۔ اور حضرت عمرو بن عاص کا تعلق بنو سہم کے ایک خاندان سے تھا۔ مڑہ بن کعب پر بنی تیمم اور بنی مخزوم۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بنی تیمم میں سے تھے۔ حضرت طلحہ بھی اسی خاندان سے تھے۔ ام المؤمنین حضرت آمنہ سلمہ اور ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ بنی مخزوم میں سے تھے اور اسی خاندان کا ایک فرد ابو جہل تھا۔ حضرت عمر کی ماں حنظلہ بنت ہشام بھی اسی خاندان سے تھی اور اس رشتے سے ابو جہل بن ہشام ان کا ماموں ہونا تھا۔ حضرت اڑقم، جن کا دار ارقم حضور کی دعوت رسالت کے دور میں بڑی اہمیت رکھتا تھا، وہ بھی مخزومی تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے حضرت خالد بن ولید تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی دادی قاطمہ بنت عمرو بھی مخزومیہ تھیں جن سے حضور کے والد اور آپ کے چچا ابو طالب اور زبیر پیدا ہوئے۔ کلاب بن مڑہ پر بنی زہرہ۔ حضور کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف بنی زہرہ ہی میں سے تھے۔ حضرت حمزہ کی والدہ صالحہ بنت اُبییب بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ حضور کی والدہ بی بی آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔

قُصَی بن کلاب پر بنی عبد العزی اور بنی عبد الدار۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ، حضرت زبیر بن العوام، اور بنی نؤفل اور حضرت حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) سب بنی عبد العزی میں سے تھے۔ حضور کی نانی بڑہ بنی عبد الدار میں سے تھیں اور اسی خاندان کی ایک شاخ سے حضرت مُصعب بن عمیر کا تعلق تھا۔

عبد مناف بن قُصَی پر بنی المطلب، بنی عبد شمس اور بنی نؤفل۔ تمام بنی اُمیہ عبد شمس کی اولاد تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے مشہور دشمن اسلام عقیبہ بن ابی مُعیط تھا، دوسری شاخ سے ام جمیل (ابو لہب کی بیوی) حاکمۃ المطلب، ابوسفیان اور ان کی بیٹی ام المؤمنین حضرت آمنہ جَدیہ تھیں، تیسری شاخ سے امیر المؤمنین حضرت

عثمان بن عفان تھے، اور چوتھی شاخ سے مروان کا باپ حکم۔ عبد شمس کی اولاد ہی میں سے مشہور دشمن اسلام عُقبہ اور ثنیبہ بھی تھے۔ عُقبہ کی بیٹی ہندہ (ابو سفیان کی بیوی) اور بیٹے حضرت ابو حذیفہ تھے۔ ثنیبہ فتح مکہ کے وقت تک کلیہ بردار کعبہ تھا اور فتح مکہ کے بعد اُسی کو آپ نے اس منصب پر برقرار رکھا، حتیٰ کہ آج تک کلیہ برداری کعبہ اُسی کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔ بنی لؤ فل میں سے حضرت جبیر بن مطعم تھے۔ اور بنی المطلب وہ خاندان تھا جس نے زمانہ رسالت سے پہلے بھی ہر تنگی و ترشی میں بنی ہاشم کا ساتھ دیا اور زمانہ رسالت کے بعد بھی وہ بنی ہاشم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سینہ سپر رہا۔ مُطلب کو اس کی خوبصورتی کی بنا پر قمر کہا جاتا تھا۔

ہاشم بن عبد مناف پر نام بنی ہاشم۔ ہاشم کی ایک بیوی بنی قضاعہ سے تھی۔ نضله بنت ہاشم اور شفاء بنت ہاشم اسی بیوی سے تھے۔ ان کی دوسری بیوی بنی مازن سے تھی جس سے خالدہ بنت ہاشم اور ضعیفہ بنت ہاشم پیدا ہوئیں۔ تیسری بیوی بنو خزاعہ سے تھی۔ جس سے اسد بن ہاشم پیدا ہوا۔ چوتھی بیوی مدینہ کی ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھی۔ جس سے ایک بیٹی حنیہ اور ایک بیٹا ابو صیفی پیدا ہوا۔ پانچویں بیوی بھی مدینہ کے ایک اور خزرجی خاندان بنی النجار میں سے تھیں۔ جن کا نام سلمیٰ بنت عمرو تھا۔ یہی عبدالمطلب اور ان کی ایک بہن رقیہ کی ماں تھیں۔ اس طرح پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اہل مدینہ سے قائم ہو چکی تھی۔

عبدالمطلب پر نام بنی عبدالمطلب۔ ان کی ایک بیوی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بنی مخزوم میں سے تھیں جن سے حضور کے والد ماجد عبد اللہ، اور دو چچا ابو طالب، اور زبیر، اور پانچ پھوپھیاں برہہ، ام الحکیم البیضاء، عاتکہ، اُمیئمہ اور اُر وئی پیدا ہوئیں۔ حضرت ابو سلمہ اور ابو سبرہ برہہ کے بیٹے تھے۔ ام الحکیم البیضاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی تھیں۔ اُمیئمہ حضرت عبد اللہ بن نجش اور ام المومنین حضرت زینب کی والدہ تھیں۔ عبدالمطلب کی دوسری بیوی ہالہ بنت اُہبیب بنی زہرہ میں سے تھیں اور حضور کی والدہ بی بی آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان سے حضور کے تین چچا، حضرت حمزہ، مرقوم اور حنظل پیدا ہوئے۔ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بھی انہی بیوی کے بطن سے تھیں جن کے صاحبزادے حضرت زبیر بن العوام تھے۔ ان کے والد عوام بن عمرو بن عبدالمطلب کی تیسری بیوی مُتیلہ بنت جناب بنی النضر بن قاسط میں سے تھی جس سے حضرت عباس اور زرارہ پیدا ہوئے۔ ان کی ایک اور بیوی سمراء بنت جندب بنی بکر بن ہوازن میں سے تھی جس سے حارث بن عبدالمطلب پیدا ہوا۔ ان کی ایک اور بیوی لُبئیہ بنت ہاجرہ بنی خزاعہ میں سے تھی جس سے ابو لہب پیدا ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نسب نامے اور قبائل عرب کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ آپ کے تعلق کی ان تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے چند باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

اول، یہ کہ دنیا کے کسی ایک مذہب کے پیشوا، اور کسی ایک دنیوی نظام کے بانی کے متعلق بھی تاریخ میں اتنی معلومات موجود نہیں ہیں جن سے اس قدر تفصیل کے ساتھ اس کے حسب نسب اور اصل نسل کا پتہ چلتا ہو جتنی تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ملتا ہے۔ اس لیے دنیا کے اکابر رجال میں حضور کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہے جو تاریخ کی پوری روشنی میں ہمارے سامنے آتی ہے۔

دوم یہ کہ حضور کے سوا کسی بڑے مذہبی یا دنیوی رہنما کے متعلق ہمیں اتنی تفصیل کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے معاشرے میں اس کی جڑیں کتنی گہری اور کتنی دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اہل عرب کے لیے آپ کوئی غیر معروف شخص نہیں تھے، بلکہ جنوب سے شمال تک اور مشرق سے مغرب تک پورے عرب میں پھیلے ہوئے سینکڑوں قبائل کو معلوم تھا کہ آپ کس خاندان کے فرد ہیں اور اس خاندان کے ساتھ ان کا اپنا نسبی رشتہ کیا ہے۔

سوم یہ کہ قریش کے جتنے خاندان مکہ اور اس کے اطراف میں آباد تھے ان میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے آپ کا کسی نہ کسی طرح کی رشتہ داری کا تعلق نہ ہو۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ:

لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ الْاَوَّلِ فِيهِ قُرَيْشٌ كَقُرَيْشِ كَعْبِ بْنِ خَدِجٍ

رشتہ ضرور تھا۔

قرایۃ۔

قریش کا مکہ میں جمع ہونا اور کعبہ کی تولیت حاصل کرنا اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکہ پر حجرہ تم کے تسلط کے بعد اولاد اسماعیل عرب کے مختلف نسلوں میں منتشر ہو گئی تھی۔ یہی کیفیت بنی خزاعہ کی ایک شاخ غنشان کی تولیت کعبہ کے دور میں بھی رہی۔ ستم کے لگ بھگ زمانے میں قحطی بن کلاب کے ہاتھوں یہ صورت حال ختم ہوئی اور مکہ قریش کے قبضہ میں اور خانہ کعبہ اس کی تولیت میں آ گیا۔

۱۷ ابن کثیر کی روایت ہے کہ کعب بن لؤئی (قصی کے پردادا) کی موت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان ۵۱۰ برس کا فصل ہے۔ اس لحاظ سے شاید غالب بن فخر حضرت مسیح کا ہم عصر تھا۔ ابن کثیر ہی نے سنبل اور دوسرے آئمہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ معذ بن عدنان کا زمانہ وہ تھا جب نجات نصر پر دشلم کو تباہ کر کے اور یہودیوں کو قید کر کے بابل لے گیا۔ یہ ستم ۵۸۷ قبل مسیح کا واقعہ ہے۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ قُصَی کا باپ کلاب بن مُرہ جیب مر گیا تو اس کی ماں فاطمہ بنت سعد، جو اُتْرُ وُشَلُوْا آة میں سے تھی، بنی قُضَاعہ کے ایک شخص رُبِیعہ بن حرام کے ساتھ نکاح کر کے شام چلی گئی اور وہاں اس دوسرے شوہر سے اس کے ہاں ایک اور لڑکا رِزاح بن رُبِیعہ پیدا ہوا۔ جب قُصَی جوان ہوا تو ایک مرتبہ بنی قُضَاعہ میں سے ایک شخص سے اس کی لڑائی ہو گئی اور اس نے قُصَی کو طعنہ دیا کہ تو ہمارے ہاں پل کر، ہم ہی پر غرّاتلہ ہے، اپنے لوگوں میں کیوں نہیں جاتا؟ اس پر قُصَی نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے بتایا کہ تو کلاب کا بیٹا اور قبیلہ قریش کا فرزند ہے اور تیری قوم بیت الحرام کے پاس شہر مکہ اور اس کے گرد و نواح میں رہتی ہے۔ تب قُصَی نے اصرار کیا کہ میں اپنے لوگوں میں جاؤں گا۔ چنانچہ جب حج کا زمانہ آیا تو وہ بنی قُضَاعہ کے حاجیوں کے ساتھ مکہ پہنچ گیا۔ یہاں اس کا حقیقی بھائی زُبَیرہ، جو کلاب کی وفات کے وقت جوان تھا، پہلے سے آیا د تھا۔ وہ اُسی کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے حَلِیل بن حُبَیث بن خُزاعی سے (جو اُس وقت کعبہ کا متولی اور مکہ کا صاحب امر تھا، اس کی لڑکی جُحَیث کا رشتہ مانگا جسے اُس نے قُصَی کی شرافتِ نسبی اور شاندار شخصیت دیکھ کر بخوشی قبول کر لیا۔ اس کے بعد کعبہ کی تولیت اور مکہ کی سرداری کس طرح اس کے قبضہ میں آئی، اس باب میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حَلِیل نے خود وصیت کر دی تھی کہ اس کے بعد قُصَی ولایت کعبہ کا اہل ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حَلِیل کے مرنے کے بعد قُصَی نے دعویٰ کیا کہ میں دوسروں سے بڑھ کر اس منصب کا اہل ہوں، اور جب بنی خُزاعہ اور بنی بکر نے نہ مانا تو اس نے اپنے ماں جاٹے بھائی رِزاح اور بنی کنانہ اور قُضَاعہ کو مدد کے لیے بلا لیا، اور مکہ کے اطراف میں قریش کے جو لوگ آباد تھے اُن کو بھی جمع کر لیا اور بزورِ خُزاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے نکال دیا۔ بعد میں جب فریقین نے یُغْمَر بن عُوْت کو بیچ بنایا تو اس نے فیصلہ دیا کہ خُزاعہ کے مقابلہ میں قُصَی ولایت کعبہ کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ اور اُس کا خاندان قطعی اور صریح طور پر آلِ اسماعیل میں سے ہے۔ اس طرح جب قُصَی نے کعبہ کی تولیت اور مکہ کی سرداری حاصل کر لی تو اس نے فہر کی ساری اولاد کو (جو قریش کہلاتی تھی) عرب کے مختلف حصوں سے مکہ میں جمع کر لیا اور مکہ کو ان کے درمیان بانٹ کر شہر کے ایک ایک حصہ میں ایک ایک خاندان کو آباد کر دیا۔ اسی بنا پر قریش اُسے مُجَمِّع (جمع کرنے والا) کہتے ہیں۔ چنانچہ حُذافہ بن غانم عدوی کہتا ہے:

ابو کھر قُصَی کان یُدعی مجمِعًا

بہ جمعہ اللہ القباثل من فہر

تمہارا باپ قُصَی جمع کہا جاتا تھا۔

اسی کے ذریعہ سے اللہ نے فہر کے قبائل کو جمع کیا

مکہ کی شہری ریاست اور حج کا انتظام | قُصَی کی انہی خدمات کی بنا پر اُس کو تمام قبائل قریش نے اپنا سردار مان لیا۔ قریش کے کسی گھرانے میں جو لڑکی بھی جوان ہوتی اُسے قبیصہ قُصَی کے گھر ہی میں پہنائی جاتی۔ جو نکاح بھی ہوتا قُصَی کے گھر میں ہوتا۔ کوئی اہم معاملہ پیش آتا یا کسی قبیلے سے جنگ کی نوبت آتی تو اسی گھر میں سب گھرانوں کے سردار مشورے کے لیے جمع ہوتے۔ اسی وجہ سے یہ گھر دارِ فادہ کہلاتا تھا۔ جنگ کے موقع پر قُصَی ہی کی اولاد میں سے کسی کو علمبردار بنایا جاتا۔ اس منصب کا نام اللواء تھا۔ حج کے سارے انتظامات بھی قُصَی کے ہاتھ میں تھے۔ ان میں سے ایک کام السقیایہ تھا، یعنی حاجیوں کو پانی پلانا۔ دوسرا الرقادہ تھا، یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانے کا بندوبست جس کے لیے قریش کے سارے گھرانے چندہ اکٹھا کر کے قُصَی کو دیتے تھے اور وہ حج سے واپسی تک تمام اُن حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتا تھا جو اپنے کھانے کا خود انتظام نہ کر سکتے۔ تیسرا الحجایہ تھا، یعنی خانہ کعبہ کی کلید برداری۔

قُصَی اپنی زندگی میں مکہ کی ریاست کا بلا شرکتِ غیرے مالک رہا۔ جب اس کا آخر وقت آیا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ اس کا بیٹا عبدمناف پہلے ہی عرب میں ناموری حاصل کر چکا ہے اور اس کا شرف تسلیم کیا جانے لگا ہے، مکہ کی ریاست کے تمام مناصب (نُدوہ، حجابہ، سقایہ، رقادہ اور لواء) اپنے دوسرے بیٹے عبدالدار کو دیدیے۔ قُصَی کی وفات کے بعد ایک مدت تک اس کے فیصلے کا احترام کیا گیا لیکن پھر کسی وقت اس کی اولاد میں ان مناصب کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا، جس میں قریش کے کچھ گھرانے بنی عبدالدار کے ساتھ اور کچھ بنی عبدمناف کے ساتھ ہو گئے۔ قریب تھا کہ یہ جھگڑا طویل کھینچ جاتا، لیکن خانہ جنگی تک نوبت پہنچنے سے پہلے آپس میں تصفیہ ہو گیا جس کے تحت حجابہ، لواء اور ندوہ بنی عبدالدار کے پاس رہے، اور سقایہ اور رقادہ بنی عبدمناف کو دیدیے گئے۔ آل عبدمناف نے آپس کے مشورے سے یہ دونوں منصب ہاشم کو دیدیے۔

ہاشم | ہاشم کا اصل نام عمرو تھا۔ ہاشم، کاعقب اسے اُس وقت دیا گیا جب مکہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، اور اس نے شام سے غلہ لاکر روٹیاں پکوائیں اور بہت سے اونٹ کٹوا کر سالن تیار کرایا اور روٹیوں کو اس میں چھوڑ کر لوگوں کو اس کا شَرِید (مالیدہ) کھلایا۔ ہاشم کے معنی توڑنے اور کچلنے کے ہیں۔ روٹیاں توڑ کر سالن میں مالیدہ بنوانے کی وجہ سے اس کو ہاشم کہا جانے لگا۔ رقادہ اور سقایہ کا منصب ہاتھ میں آنے کے بعد ہاشم کا قاعدہ یہ تھا کہ جب حج کا زمانہ آتا تو وہ قریش کے لوگوں کو جمع کر کے کہتا: "یہ اللہ کے پڑوسی اور اُس کے گھر کے لوگ اس زمانے میں زیارت کے لیے تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ اللہ کے عمان ہیں، اور سب سے زیادہ ضیافت کے حق دار اللہ ہی کے عمان ہوتے ہیں۔ اللہ نے

تم کو یہ خصوصیت بخشی ہے اور اسی کی بدولت تمہیں عزت دی ہے اور تمہاری ایسی حفاظت کی ہے جیسی کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کی نہیں کرتا۔ لہذا اس کے معانوں اور زائرؤں کا اکرام کرو جو گد آؤ اور پراگندہ حال ہر ڈور ڈور از علاقہ سے دہلی اور ٹینیسیوں پر جو سوکھ کرے کاٹا ہو گئی ہیں، آ رہے ہیں۔ اُن کے کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔ اُن میں جو ٹیس پڑ گئی ہیں۔ اُن کا نادر راہ ختم ہو گیا ہے۔ لہذا ان کو کھانا کھلاؤ اور پانی پلاؤ۔ اس پر قریش کے سارے خاندانوں سے چندہ آتا اور خود ہاشم زریکثیر اپنے پاس سے خرچ کرتا۔ پھر چڑھے کے بڑے بڑے حوضوں میں مکہ کے سارے کنوؤں سے دیکھو نہ کہ زمزم کو تو جڑم بند کر گئے تھے اور اس کا نشان تک باقی نہ تھا، پانی لالا کر ان میں حاجیوں کے لیے بھرا جاتا۔ روٹیاں اور سالن پکا کر ان کا خریدہ بنایا جاتا۔ روٹی اور دودھ کا میدا بھی بنایا جاتا۔ ستو اور کھجوریں وغیرہ فراہم کی جاتیں اور حاجیوں کے منی سے رخصت ہونے تک اُن کی ضیافت کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی چیز نے ہاشم کو عرب کے تمام قبائل میں مقبول بنا دیا تھا کیونکہ ان سب کو ہر سال حج میں اُس کی اس فیاضانہ خدمت سے استفادے کا موقع ملتا تھا۔ (اضافہ از مولف)

قریش کی تجارت اور ان کی ترقی | قریش کی وہ تجارت جس کا ذکر سورۃ قریش میں رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ دگری اور جاڑے کے سفروں کے نام سے اللہ کے ایک فضل کے طور پر کیا گیا ہے، اس کا خیال بھی سب سے پہلے ہاشم ہی کے ذہن میں پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے تینوں بھائیوں، عبد شمس، مُطَلِب اور نُؤْفَل کو ساتھ ملا کر یہ منصوبہ بنایا کہ اُس بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے جو عرب کے راستے بلاؤ مشرق اور شام و مصر کے درمیان ہوتی تھی، اور ساتھ ساتھ اہل عرب کی ضروریات کا سامان بھی خرید کر لایا جائے تاکہ راستے کے قبائل اُن سے مال خریدیں، اور مکے کی منڈی میں اندرون ملک کے تجارت خریداری کے لیے آنے لگیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران کی ساسانی حکومت اُس بین الاقوامی تجارت پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی جو شمالی علاقوں اور خلیج فارس کے راستوں سے مدی سلطنت اور بلاؤ مشرق کے درمیان ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے جنوبی عرب سے بحرا حمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو تجارتی راستہ شام و مصر کی طرف جاتا تھا اُس کا کاروبار بہت چمکا اٹھا تھا۔ عرب کے دوسرے تجارتی قافلوں کی بہ نسبت قریش کو یہ سہولت حاصل تھی کہ راستے کے تمام قبائلی بیت اللہ کے خدام ہونے کی حیثیت سے ان کا احترام کرتے تھے۔ حج کے زمانے میں نہایت فیاضی کے ساتھ حاجیوں کی خدمت قریش کے لوگ کرتے تھے اس کی بنا پر سب اُن کے احسان مند تھے۔ انہیں اس امر کا کوئی خطرہ نہ تھا کہ راستے میں کہیں ان کے قافلوں پر ڈاکہ مارا جائے گا۔ راستے کے قبائل اُن سے سگور کے وہ بھاری نیکیں بھی وصول نہ کر سکتے تھے جو دوسرے قافلوں

سے طلب کیا جاتا تھا۔ ہاشم نے انہی تمام پہلوؤں کو دیکھ کر تجارت کی اسکیم بنا لی اور اپنی اس سکیم میں اپنے تینوں بھائیوں کو شامل کیا۔ شام کے عثمانی بادشاہ سے ہاشم نے حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے، یعنی امراء سے مُطلب نے اور عراق و فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی بنا پر یہ چاروں بھائی مہاجرین (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے، اور جو روابط انہوں نے گرد و پیش کے قبائل اور ریاستوں سے قائم کیے تھے ان کی بنا پر ان کو اصحاب الایلاف بھی کہا جاتا تھا جس کے لفظی معنی مہافت پیدا کرنے والوں کے ہیں۔ اس کا روباہ کی وجہ سے قریش کے لوگوں کو شام، مصر، عراق، ایران، یمن، اور حبش کے ممالک سے تعلقات کے وہ مواقع حاصل ہوئے، اور مختلف ملکوں کی ثقافت و تہذیب سے براہ راست سابقہ پیش آنے کے باعث ان کا معیار دانش و بینش اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی ٹکڑے کا نہ رہا۔ مال و دولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے اور مکہ جزیرۃ العرب کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ ان بین الاقوامی تعلقات کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ عراق سے یہ لوگ وہ رسم الخط لے کر آئے جو بعد میں قرآن مجید لکھنے کے لیے استعمال ہوا۔ عرب کے کسی دوسرے قبیلے میں اتنے پڑھے لکھے لوگ نہ تھے جتنے قریش میں تھے۔ انہی وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”قریش قادات الناس“ قریش لوگوں کے لیڈر ہیں۔ (مسند احمد، روایات عمر بن العاص)۔ اور حضرت علی کی روایت بیہقی میں ہے کہ حضور نے فرمایا:

كان هذا الامر في حمير فنزعه
الله منهم و جعله في قریش -
پہلے عرب کی سرداری تھیلہ حمیر والوں کو
حاصل تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے سلب
کر کے قریش کو دے دی۔

قریش اسی طرح ترقی پر ترقی کرتے چلے جا رہے تھے کہ مکہ پر ابرہہ کی چڑھائی کا واقعہ پیش آ گیا۔ اگر اس وقت ابرہہ اس شہر مقدس کو فتح کرنے اور کعبے کو ڈھا دینے میں کامیاب ہو جاتا تو عرب میں قریش ہی کی نہیں

۱۔ طبری کا بیان ہے کہ ہاشم نے شام اور عثمان اور روم کے بادشاہوں سے، عبد شمس نے نجاشی سے، نوفل نے شاہان

فارس سے، اور مُطلب نے شاہان حمیر سے تجارتی مراعات اور سڑکیں حفاظت کے پر دانے حاصل کیے (حاشیہ از مولف)

خود کعبہ کی دھاک بھی ختم ہو جاتی۔ زمانہ جاہلیت کے عرب کا یہ عقیدہ منتر نزل ہو جاتا کہ یہ گھر واقعی بیت اللہ ہے۔ قریش کو اس گھر کے خادم ہونے کی حیثیت سے جو احترام پورے ملک میں حاصل تھا وہ ایک نعمت ختم ہو جاتا۔ کئی تک حبشیوں کی پیش قدمی کے بعد رومی سلطنت آگے بڑھ کر شام اور مکہ کے درمیان کا تجارتی راستہ بھی اپنے قبضے میں لے لیتی۔ اور قریش اُس سے زیادہ خستہ حالی میں مبتلا ہو جاتے جس میں وہ قصی بن کلاب سے پہلے مبتلا تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ پرندوں کے لشکروں نے سنگریزے مار مار کر ابرصہ کی لائی ہوئی ۶۰ ہزار حبشی فوج کو تباہ و برباد کر دیا، اور کتے سے یمن تک سارے راستے میں جگہ جگہ اس تباہ شدہ فوج کے آدمی گر گر کر مرتے چلے گئے تو کعبہ کے بیت اللہ ہونے پر تمام اہل عرب کا ایمان پہلے سے بدرجہا زیادہ مضبوط ہو گیا اور اس کے ساتھ قریش کی دھاک بھی ملک بھر میں پہلے سے زیادہ قائم ہو گئی۔ سب عربوں کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں پر اللہ کا فضل خاص ہے۔ وہ بے کھٹکے عرب کے ہر حصے میں جاتے اور اپنے تجارتی قافلے لے کر ہر علاقے سے گزرتے۔ کسی کی یہ جرأت نہ تھی کہ ان کو چھیڑتا۔ انہیں چھیڑنا تو درکنار مان کی امان میں کوئی غیر قریشی بھی ہوتا تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا۔

(تفصیل القرآن - جلد ششم - دیباچہ سورہ قریش)

عبدالطلب بن ہاشم | ہاشم اپنے تجارتی سفروں کے سلسلے میں اکثر شام جاتے ہوئے مدینے پھیرا کرتا تھا، اور وہاں قبیلہ خزرج کی ایک عورت سے وہ پہلے ہی شادی کر چکا تھا جس سے اس کے دو بچے تھے (لڑکی) اور ابوہنیئہ (لڑکا) پیدا ہوئے تھے۔ ایک اور سفر میں اس نے خزرج ہی کے ایک خاندان بنی نجار کی ایک عورت سلمیٰ بنت عمرو بن زید کو بازار میں ایک اونچے مقام پر بیٹھے دیکھا جو حکم دیتی جا رہی تھی کہ اس کے لیے کیا خریدنا چاہئے اور اس کی طرف سے کیا بیچنا چاہئے۔ ہاشم کو اس کے حسن و جمال اور اس کی شان و شوکت اور فراست و ذہانت نے بہت متاثر کیا اور اس سے شادی کی درخواست کی۔ وہ کسی سے اس شرط کے بغیر شادی کے لیے تیار نہ تھی کہ وہ اپنی مرضی کی مختار ہوگی اور کسی شخص کو پسند نہ کرے گی تو بلیغگی اختیار کر لے گی۔ ہاشم نے اس کی شرط مان لی اور اس نے ہاشم کی خاندانی شرافت اور ذاتی وجاہت کو دیکھ کر اس کا پیغام قبول کر لیا۔ مدینے ہی میں دونوں کی شادی ہوئی اور یہیں اس خاندان کے بطن سے حضور کے دادا عبدالطلب تقریباً ۶۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ اسی سفر میں ہاشم جب عترہ پہنچا تو بیمار ہو گیا اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔ اس طرح عبدالطلب جوانی کی عمر کے قریب پہنچنے تک اپنی ماں کے پاس مدینے ہی میں رہے۔ ہاشم نے مرتے وقت وصیت کی کہ اُس کے بعد اُس کا بھائی

مطلب اُس کی جگہ سیتقایہ اور رقادہ کا متوالی ہوگا اور وہی اس کے اہل و عیال اور اس کی جائداد کی دیکھ بھال کرے گا۔ اُس وقت سے بنی ہاشم اور بنی المطلب ایک جان و دو قالب ہو گئے اور آخر تک رہے۔ اس کے برعکس بنی عبد شمس (جن میں سے بنی اُمیئہ تھے) اور بنی نو فیل ایک دوسرے کے حلیف بنے اور بعد تک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں حیب قریش کے سب قبیلوں نے آپ کا مقابلہ کیا اور شعب ابی طالب میں آپ کو محصور کر لیا تو بنی ہاشم کے ساتھ بنی المطلب بھی اس محصوری میں آپ کے ساتھ شامل ہوئے، بخلاف اس کے بنی نو فیل اور بنی عبد شمس نے مخالفین کا ساتھ دیا۔

عبد المطلب (جن کا اصل نام شیبہ تھا اور اپنی خوبوں کے باعث شیبہ المخذبی کہلاتے تھے) مدینہ میں پرورش پا رہے تھے کہ ایک مرتبہ ثابت بن مُنذر (جو حضرت حسان بن ثابت کا باپ تھا) لگے گیا اور مطلب سے ملا جس کے ساتھ اس کا پہلے سے میل جول تھا۔ دوران گفتگو میں اس نے کہا کہ تم کہیں اپنے بھتیجے شیبہ کو دیکھو تو تمہارا جی خوش ہو جائے۔ بڑا شاندار، پرہیزگار اور خوب رو جوان اٹھا ہے۔ یہ حالات سن کر مطلب بے تاب ہو گیا اور جا کر بھتیجے کو اپنے ساتھ دنٹ پر بٹھا کر لے آیا۔ قریش کے لوگوں نے اس نو جوان لڑکے کو مطلب کے ساتھ آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ عبد المطلب ہے۔ مطلب نے لوگوں کو ڈانٹا بھی کہ یہ میرے بھائی ہاشم کا لڑکا شیبہ ہے، میرا غلام نہیں ہے، مگر ”عبد المطلب“ کا نام کچھ ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام اس کے نیچے دب کر رہ گیا۔ کچھ مدت کے بعد مطلب ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں یمن گیا اور وہیں مر گیا۔ عبد المطلب اُس کے جانشین ہوئے اور سیتقایہ و رقادہ کے دونوں منصب اُن کو مل گئے۔ ابن سعد اُن کی تعریف میں لکھتا ہے کہ ”وہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ تنومند، سب سے زیادہ سنجیدہ و بردبار، سب سے زیادہ سخی، اور سب سے زیادہ اُن برائیوں سے دور تھے جو مردوں کو بگاڑنے والی ہوتی ہیں“ ابن ہشام کا قول ہے کہ ”ان کو اپنی قوم میں عزت و شرف کا وہ مرتبہ حاصل ہوا جس تک ان کے آباء میں سے کوئی نہ پہنچا تھا۔ ان کی قوم ان سے محبت کرتی تھی اور لوگوں میں وہ بڑی منزلت رکھتے تھے“

طبری نے لکھا ہے کہ عبد المطلب کے چچا نو فیل نے ہاشم کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں سے ایک حصہ غصب کر لیا تھا۔ عبد المطلب نے پہلے اپنی دو عیال و انوں سے مدد مانگی۔ مگر انہوں نے چچا اور بھتیجے کے جھگڑے میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ پھر عبد المطلب نے اپنی ننھیال (مدینہ کے بنی عدی بن نجار) کو مدد کے لیے بلایا۔ اس پر ان کا ماموں ۸۰ آدمی لے کر مکہ پہنچ گیا اور اس نے زبردستی نو فیل سے اپنے بھانجے کا حق دلوا لیا۔

اس کے بعد نوفل بھی بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے مل گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت تک بنی نوفل اسی جھگڑے میں شامل رہے جو بنی ہاشم کا مخالفت اور بنی عبد شمس کا ساتھی تھا۔ عبد المطلب نے جب یہ دیکھا کہ بنی نوفل ان کے مخالف جھگڑے سے جا ملے ہیں تو انہوں نے خزاعہ کے سرداروں سے بات چیت کی اور ان کے ساتھ مخالفت راتحاد اور امدادِ باہمی کا معاہدہ کر لیا اور کعبہ میں جا کر انہوں نے باقاعدہ معاہدہ کی تحریر لکھی۔ ابن سعد کا بیان اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بنی خزاعہ نے عبد المطلب سے خود درخواست کر کے باہمی دوستی و معاونت کا معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدہ میں بنی المطلب اور بنی ہاشم، دونوں خاندان شریک ہوئے اور بنی عبد شمس اور بنی نوفل اس سے الگ رہے۔ یہ معاہدہ دارالندوہ میں لکھا گیا اور کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ اس کے مطابق عبد المطلب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ بنی خزاعہ کے ساتھ ہمیشہ دوستی نیاہنا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب شرائطِ معاہدہ میں سے ایک شرط یہ طے ہوئی کہ قبائل عرب میں سے جو چاہے فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ شریک ہو جائے تو خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔

عبد المطلب کا زمزم کو از سر نو بہ آمد کرنا | یہ فخر بھی جناب عبد المطلب ہی کو حاصل ہوا کہ زمزم، جسے جرہم بند کر کے اس کا نشان تک مٹا گئے تھے، ان کے ہاتھوں از سر نو بہ آمد ہوا۔ محمد بن اسحاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ خواب میں جناب عبد المطلب کو زمزم کا مقام بتایا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ اس جگہ کو کھود کر یہ مقدس کنواں برآمد کر لیں۔ اس وقت اُن کا کوئی بیٹا حارث کے سوا نہ تھا۔ اسی کو لے کر وہ کدال پھاڑا لیے ہوئے وہاں پہنچے اور کھدائی شروع کر دی۔ جب پانی نمودار ہوا تو عبد المطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس سے قریش کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ زمزم نکل آیا ہے۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ ”اے عبد المطلب یہ تو ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے، ہمیں اس میں اپنے ساتھ شریک کرو۔“ انہوں نے جواب دیا ”ہیں یہ نہیں کر سکتا۔ یہ خاص طور پر مجھے دیا گیا ہے، تم میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔“ وہ جھگڑے پر آمادہ ہو گئے۔ عبد المطلب نے کہا ”اچھا تو کسی کو حکم بنا لو۔“ انہوں نے بنی سعد بن یمیم کی کاہنہ کا نام تجویز کیا جو شام کے بالائی علاقوں میں رہتی تھی۔ عبد المطلب نے یہ بات مان لی اور اپنے چند ساتھیوں کو لے کر وہ بنی امیہ اور قبائل قریش میں سے ہر قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک بے آب و گیاہ مہیا بان آیا جہاں عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ ہم پیاس سے مر جائیں گے۔ انہوں نے اپنے ہم سفر دوسرے اہل قریش سے پانی مانگا۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر

انکار کر دیا کہ بیاں پانی کا ڈور دکھائیں نام و نشان نہیں ہے، ہم اگر اپنے پانی میں تمہیں شریک کہیں تو ہم بھی اسی ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کا تمہیں خطرہ ہے۔ آخر کار عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابھی ہمارے ہاتھ پاؤں میں کچھ جان ہے۔ آؤ، ہم میں سے ہر ایک اپنے لیے ایک گڑھا کھودے اور جو جو مزنا جائے اس کو اسی گڑھے میں دفن کیا جاتا رہے۔ چنانچہ ہر ایک نے گڑھا کھود لیا اور سب موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ پھر عبدالمطلب نے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نے اپنے آپ کو یونہی موت کے حوالے کر دیا۔ آؤ ہمت کر کے چلیں، شاید کہیں ہمیں پانی مل جائے۔ یہ کہہ کر سب کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب عبدالمطلب نے اپنے اونٹ کو اٹھایا اور اس کا پاؤں زمین پر پڑا تو یہ ایک اس کے نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ نکل آیا۔ اس پر عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے فحشہ تکبیر بلند کیا اور اتر کر خوب پانی پیا اور اپنے مشکیزے پانی سے بھر لیے۔ پھر عبدالمطلب نے اُن دوسرے اہل قریش کو، جنہوں نے پانی دینے سے انکار کیا تھا، پکارا اور کہا آؤ، اللہ نے ہمیں پانی دیدیا ہے، تم بھی پیو اور پانی بھرو۔ چنانچہ وہ آئے، سب پانی سے سیراب ہوئے اور پھر کہا کہ ”اے عبدالمطلب، خدا ہی نے ہمارے خلاف تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ خدا کی قسم اب ہم زمزم کے معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں گے۔ جس خدا نے تمہیں اس بیابان میں پانی دیا ہے اسی خدا نے زمزم بھی تمہیں عطا کیا ہے۔ اب اپنے پانی کی طرف بھجو و خوبی واپس چلو۔ اس طرح سب اُس کا بہنہ کے پاس جانے کے بجائے نکلے واپس ہو گئے۔ یہ سقایہ کا منصب، جس میں اب سب سے اہم زمزم کی سقایت تھی، زندگی بھر عبدالمطلب کے پاس رہا۔ ان کے بعد یہ ان کے بیٹے ابوطالب کو ملا۔ مگر ابوطالب اپنی فیاضی کے باعث اپنی مالی استطاعت سے بہت بڑھ کر حاجیوں کو پانی، شربت، دودھ وغیرہ پلانے میں خرچ کرنے لگے، جس کی وجہ سے انہیں کئی مرتبہ اپنے بھائی عباس سے قرظ لینا پڑا اور اسے ادا نہ کر سکے۔ آخر کار حضرت عباس نے شرط لگائی کہ اب اگر آپ ادا نہ کر سکیں گے تو سقایت کا منصب آپ کو میرے لیے چھوڑ دینا ہوگا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سقایت حضرت عباس کو مل گئی۔ یہ زمانہ قبل اسلام کی بات ہے۔ زمانہ اسلام میں بھی یہ منصب بنی عباس ہی میں رہا۔

عبد اللہ بن عبدالمطلب | محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ زمزم کی کھدائی کے وقت جب عبدالمطلب نے دیکھا کہ ان کے ساتھ صرف ان کا ایک بیٹا ہے اور قریش سارے گھر کے آگئے ہیں، تو انہوں نے نذرمانی کہ اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے جو میری حمایت کے لیے کھڑے ہو سکیں، تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے پاس اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ اللہ نے ان کی یہ دعا پوری کی اور اسی بیٹے ان کو دیدیے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے۔ آخر کار ایک

روز عبدالمطلب نے سب کو جمع کیا اور اپنی نذر کا اُن سے ذکر کیا۔ سب نے کہا اللہ سے جو نذر آپ نے مانی ہے اسے پورا کیجیے۔ اس پر عبدالمطلب سب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں بیٹل نامی بت کے پاس گئے جہاں فال نکالی جاتی تھی، اور فال اس بات کے لیے نکلواٹی کہ ان دس میں سے کس بیٹے کو قربان کریں۔ اس میں نام جناب عبد اللہ کا نکلا جو عبدالمطلب کے سب سے خوبصورت اور باپ کو سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے۔ عبدالمطلب بلا تکلف عبد اللہ کا ہاتھ پکڑ کر اور چھری لے کر اسات و نائلہ کی طرف لے چلے تاکہ وہاں ان کو ذبح کر دیں۔ قریش کے لوگ یہ دیکھ کر اپنی اپنی مجلسوں سے دوڑ پڑے اور کہنے لگے ”عبدالمطلب، یہ کیا کرتے ہو، اگر تم نے ایسا کیا تو آٹے دن کوئی نہ کوئی اپنے بیٹے کو لا کر ذبح کرنے لگے گا۔ چلو، حجاز کی قلاں عرافہ (سبانی) کے پاس چلو اور وہ جو کہے وہی کرو، ممکن ہے کہ وہ اس مشکل کا کوئی حل بتا دے“ اس تجویز کے مطابق یہ لوگ مدینے پہنچے اور وہاں معلوم ہوا کہ وہ عرافہ خیبر میں ہے۔ وہاں جا کر اس سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا تمہارے ہاں آدمی کی ویت کیا ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا ۱۰ اونٹ۔ وہ بولی واپس جاؤ اور اب فال اس بات پر نکالو کہ عبد اللہ کو قربان کیا جائے یا دس اونٹوں کو؟ اگر پھر لڑکے کے نام کی فال نکلے تو دس اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر فال نکالو۔ اس طرح دس دس اونٹ بڑھا بڑھا کر فال نکالتے چلے جاؤ۔ جب اونٹوں پر فال نکل آئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمہارا رب بیٹے کے بجائے اتنے اونٹوں کی قربانی پر راضی ہے۔ عرافہ کی یہ بات قبول کر کے سب نکلے بیٹے اور فال نکالنی شروع کی۔ ۱۰۔ ۲۰۔ ۳۰۔ حتیٰ کہ ۹۰ تک فال عبد اللہ ہی کے نام کی نکلتی رہی۔ آخر ۱۰۰ اونٹ بہ پہنچ کر فال اونٹوں پر نکلی۔ چنانچہ ۱۰۰ اونٹ ذبح کیے گئے اور لوگوں کو اذین عام دے دیا گیا کہ جو جتنا گوشت چاہے لے لے۔

اس طرح ایک مرتبہ پھر آل ابراہیم میں قربانی کا وہ واقعہ دہرایا گیا جو مکہ میں اس مبارک خاندان کی آبادی کے آغاز کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اگرچہ روح اور معنی کے اعتبار سے دونوں واقعات میں بڑا فرق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کارخانے کی حکمتیں عجیب ہیں۔ پہلے اس خاندان کے اُس فرد اول کی قربانی کسی اور طرح مانگی گئی تھی جسے عرب میں دین اسلام کی دعوت کا آغاز کرنا تھا۔ اب اُس آخری نبی، صلی اللہ علیہ وسلم، کے والد کی قربانی کسی اور طرح مانگی گئی جسے تمام عالم انسانی میں اُسی دعوت کو پھیلانا تھا۔ پہلی قربانی کا قدرہ ایک مینڈھا تھا، اور دوسری کا قدرہ ۱۰۰ اونٹ۔

جناب عبد اللہ کی شادی | جناب عبد اللہ ۲۵ سال کے تھے جب ان کے والد نے ان کی شادی بنی زہرہ بن کلاب

کی ایک خاتون آمنہ نہت و ہب بن عبد مناف سے کر دی، جو اپنی قوم کی بہترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھیں۔ چند مہینے کی از دو واجی زندگی گزارنے کے بعد، جب کہ بی بی آمنہ حاملہ تھیں، وہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ فلسطین کے شہر غزہ گئے۔ وہاں سے پلٹ کر جب مدینہ پہنچے تو بیمار ہو گئے۔ ساتھیوں سے کہا کہ تم مکہ واپس جاؤ اور میں اپنی دادی کے خاندان بنی عدی بن نجار میں ٹھیرتا ہوں۔ ایک مہینہ وہاں ٹھیرے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور دارالنائبہ میں دفن کر دیے گئے۔ ساتھیوں نے مکہ پہنچ کر جب عبدالمطلب کو ان کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے فوراً اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے جناب عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

یہ صحیح ترین روایت ہے جسے عموماً اہل علم نے تسلیم کیا ہے۔ ورنہ کسی روایت میں یہ ہے کہ ان کا انتقال اُس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۸ مہینے کے تھے۔ کسی میں سات مہینے، اور کسی میں دو مہینے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن معتبر اور مسلم یہی ہے کہ حضورؐ بھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

الْمَ يَجِدُكَ يَتِيمًا فَادَى ۝

”اے نبی، کیا ہم نے تم کو یتیم نہیں پایا اور

پھر ٹھکانا فراہم کیا؟“

(اضافہ از مولف)

